Tauseeq, Volume. 4, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v4i2.53

Received: 03-10-2023
Accepted: 13-11-2023
Published: 31-12-2023

اُردو غزل کی تشکیلِ نو میں پاکستانی شعرا کا کردار۔ تجزیاتی جائزہ

(1947سے 2023تک)

An analytical review of

The role of Pakistani poets in the reconstruction of Urdu Ghazal

*محسن خالد محسنؔ

ABSTRACT

Urdu ghazals are read, heard, sung and written in most of the countries of the world, apart from the Indian subcontinent. The distinction of this genre is that it can best express the entire situation, from human life to death. Thousands of poets, from Wali Dikni to Mirza Dagh, have spent their lives and blood in its upbringing. After the partition of the subcontinent, interest in this genre still persists on both sides of the border. While great work has been done in the evolution of Urdu ghazals in India, hundreds of poets have contributed to the evolution of this genre in Pakistan and have successfully continued its evolutionary journey. This paper covers the role of Pakistani poets in the evolution of modern Urdu. The words and themes of these selected poets will help in understanding the evolutionary journey of Urdu ghazals. This paper is based on the selection and analysis of poets from Nasir Kazmi to Ahmad Abdullah from the post-partition period to the second decade of the 21st century.

Key words: partition, British era, caste conflict,Eastern civilization, romantic era, progressive poet,Romanism, twenty-first century, globalisation, Classic style

* شعبہ اُردو(گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج،لاہور)

اُردو غزل دیگر شعری اصناف کی نسبت زیادہ فعال، متحرک اور پُر اثر رہی ہے۔ اس کی ساخت، بناوٹ، بُنت اور تراش خراش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا گیا۔ صنفِ غزل کو شعرا نے دیگر شعری و ذیلی اصناف کی نسبت زیادہ اہمیت دی اور اس کی وقعت کو کسی صورت کم نہ ہونے دیا۔

اُردو غزل کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے سرحدوں کی قید میں خود کو مقید نہیں ہونے دیا۔ مابعد تقسیم اس کے ارتقا میں پاکستانی شعرا نے اپنا فعال کردار ادا کیا ہے۔ اُردو غزل کا سفر قریباً آٹھ سو برس کو محیط ہے۔ ہزاروں شعرا نے اپنے دواوین یادگار چھوڑے۔ اُردو غزل کا سرمایہ محفوظ رہنے اور شعرا کا کلام دیگر اصناف کی نسبت زیادہ پڑھے، چھپنے اور گفتگو کا حصہ بننے کی وجہ اس کی ترسیل کا فطری نظام ہے۔

اُردو غزل انسان سے متصل جملہ جذبات و احساسات کا اظہار کرنے کی صلاحیت سے متصف ہے۔ دُنیا جہاں کے موضوعات کو اس نرم و نازک اور چلبلی سی لطیف صنف میں کھپا دینے کی گنجائش موجود ہے۔ اُردو غزل کی گردن مارنے والے سینکڑوں شعرا اور نقاد سامنے آئے اور طعن و ملامت سے اس کا گلہ گھوٹنے کی کوشش میں ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باوجود نامراد رہے۔ اُردو غزل ہر دور میں عوام و خواص کی مقبول صنف رہی ہے۔ جب تک اُردو زبان موجود ہے، صنفِ غزل کو زوال اور تنزل کا اندیشہ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔

اس مقالہ میں جدید اُردو غزل کے ارتقا میں پاکستان سے متصل شعرا کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے اپنے اپنے انداز میں صنفِ غزل کی زلفیں سنوارنے اور اس کے خارجی و داخلی حُسن کو مہمیز کرنے میں اپنا فعال کردار ادا کیا ہے۔ یوں تو ہزاروں شعرا اس انتخاب میں شامل کیے جانے کے لائق ہیں تاہم اس مقالہ کو مختصر رکھنے کی غرض سے خود ساختہ انتخاب کیا گیا ہے جس سے اُردو غزل کی تشکیلِ نو کے سفر میں ان کے کلام و کام کا ماحصل سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

تقسیم کے بعد اُردو غزل کو ناصر کاظمی ایسا غزل گو شاعر نصیب ہوا جس نے غزل کو معراج کی انتہا پر لا کھڑا کیا۔ ناصر کی اُداسی، تنہائی، غم اور حسن و عشق کی تڑپ نے اُردو غزل کو میر و غالب کا تاثر یاد دلایا۔ ناصر کی غزل کا سہل ممتنائی انداز ایسا عمدہ اور دلآویز تھا کہ گہری سے گہری اور معمولی سے معمولی واقعہ اس سانچے میں ڈھل کر لاجواب بن جاتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں: "ناصر کاظمی ہماری غزل کے گنے چنے دو ایک اوریجنل شاعروں میں سے ایک ہیں۔"[1] ناصر نے تقسیم کے تجربے کو جس شدت سے پیش کیا یہ کام کسی اور شاعر کے بس کی بات نہ تھی۔

؎ دل کی گہرائیوں میں ڈوب کے دیکھ / کوئی نغمہ خوشی کا نغمہ نہیں

؎ رات اندھیری ہے تو اپنے دھیان کی مشعل جلا / قافلے والوں میں کس کو کس کی پرواہے نہ پوچھ

فیض احمد فیضؔ کا نام اُردو غزل اور نظم کی روایت میں ہمیشہ فخر سے لیا جائے گا۔ فیض نے سیاست اور ادب کو جس طرح باہم آمیختہ کیا جو انھیں پر ختم ہے۔ فیض نے اپنی سیاسی اور فکری نظریات اور تصورات کو غزل کی زبان میں عمومی اور نظم کے طور سے خصوصی پیش کیا۔ ان کی غزل کا رنگ غنائی اور موسیقیت سے لبالب ہے۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:" فیض کا مختصر سرمایہ سخن اُردو شاعری کی تاریخ کا سنگ میل ہے۔ فیض کی مختصر چند غزلیں بے پناہ مقبولیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے رنگِ سخن سے ہم عصر شعرا کو حد درجہ متاثر"۔ فیض کی لفظیات پُر اثر، معنی خیز اور جمالیاتی رکھ رکھاؤ کا عمدہ قرینہ لیے ہوئے ہیں۔"[۲]

؎ دامنِ درد کو گلزار بنا رکھا ہے / آؤ اک دن دلِ پُرخوں کا ہنر تو دیکھو

؎ جو کچھ بھی بن نہ پڑا فیضؔ لُٹ کے یاروں سے / تو رہزنوں سے دُعا سلام ہوتی رہی

رومانوی دور میں ابھرنے والے شاعر احسان دانش ہیں جنھوں نے مزدوری کا حق بھی ادا کیا اور شاعری کا فرض بھی باخوبی نبھایا۔ ان کی نثر بھی اعلیٰ اور نظم بھی اعلیٰ۔ احسان نے زندگی کے نشیب و فراز کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کی غزل میں سچے اور کھرے جذبات کی روانی موجود ہے جس کی تلخی پڑھنے والے کے حواس پر بھی اثر کرتی ہے۔

؎ نئی سحر کے بہت لوگ منتظر ہیں مگر / نئی سحر بھی جو کجلا گئی تو کیا ہو گا

؎ آدمی کو خود نہیں اپنے سفر سے آگہی / اس کی قسمت میں تو اک منزل ہے اک منزل کے بعد

احمد ندیمؔ قاسمی ایک ہمہ جہت ادیب تھے۔ ان کو اُردو ادب میں منگلا ڈیم کہتے ہیں یعنی انھوں نے نظم و نثر دونوں جہات کے ذیلی دھاروں میں خوب قلم چلایا اور جو بھی لکھا وہ امر ہوا۔ قاسمی کی نظموں اور غزلوں میں زندگی کی روشن امید دکھائی دیتی ہے۔ فکر کی گہرائی اور طبیعت کی سنجیدگی نے مل کر غزل کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ ندیم کی غزل کا رنگ اخلاقی اور مشرقی اقدار کی ترجمانی کا نمائندہ بن گیا ہے۔ ممتاز حسین نے لکھا:" قاسمی کی غزلوں میں لطافت اور حلاوت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ انھوں نے شاعری میں انسانوں کے جذبات کی خوب ترجمانی کی ہے۔"[۳]

؎ خراشیں دل کی اُمڈیں گی ندیمؔ اک سیلِ خوں بن کر / یہی پگڈنڈیاں مل جل کے بن جائیں گی شہرائیں

؎ آبلوں پر جو حنا باندھے مجھے یہ بھی بتائے / کیوں بایں درماندگی وارفتہ منزل بھی ہوں

بہ حیثیت یادگارِ زمانہ شخصیات میں شامل صوفی غلام مصطفی تبسم اُردو غزل کے متعبر شاعر ہیں جنھوں اُردو، فارسی اور عربی میں استعداد حاصل کی۔ ان کی شخصیت، شاعری اور مزاج ایسا سبھاؤ والا ہے کہ کچھ بھی کہیے اچھا اور بھلا ہی محسوس ہوتا ہے۔ صوفی صاحب نے غزل کو سادگی، برجستگی اور روانی سے مزین کیا۔ حسن و عشق کے بیان میں متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لطیف اور مترنم انداز میں شعر موزوں کرنے کا خداد سلیقہ رکھتے تھے۔

ے دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے / آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی

ے سخت بیگانہ حیات ہے دل / آؤ اس آشنا کی بات کریں

قتیل شفائی نے گیت کی صنف کو امر کر دیا۔ قتیل کی غزلوں میں مصنوعی آب و ہوا کی رنگینی اور آراستگی کی فراوانی ہے۔ قتیل نے محبت کے فلسفے کو قسم قسم کے جداگانہ تصورات میں بیان کیا ہے۔ ان کے یہاں محبت کا تجربہ داخلی کیفیت کا کرب لیے ہوئے ہے۔

ے مے کدے بند ہوئے ڈھونڈ رہا ہوں تجھ کو / تو کہاں ہے مجھے آنکھوں سے پلانے والے

ے تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو / اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں

قتیل شفائی کے متوازی ان کے ہمعصر شاعر ساحر لدھیانوی کا رنگ و آہنگ طلسماتی تھا۔ ساحر کے گیت کو ان کے بقول واقعی ایک زمانے نے گایا اور ہنوز ان کی شعریات کا اثر برقرار ہے۔ ساحر نے زندگی کو جس طور سے دیکھا اُسی انداز میں پیش کر دیا۔ ساحر کے ہاں سحر طاری کر دینے والی غزلیہ شعریت ملتی ہے جس سے اُردو غزل نے بہت فیض اُٹھایا۔ پروفیسر عبد القوی دسنوی لکھتے ہیں:"ساحر کی غزل کا ماحصل حسن و عشق کا بیان ہے۔ ساحر نے اضطرار او اضطراب کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ دل کو مضطرب بھی کرتا ہے اور دماغ کو متاثر بھی۔"[۴]

ے تمہارے عہدِ وفا کو میں عہد کیا سمجھوں / مجھے خود اپنی محبت کا اعتبار نہیں

ے دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں / جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

ساحر کی غزل کا طلسم ظہیر کاشمیری کے ہاں بھی تقلید کی صورت دکھائی دیتا ہے۔ ایک بڑا شاعر اپنے اُسلوبِ شعری سے ایک جہان کو متاثر کرتا ہے خواہ وہ قاری ہو یا شاعر یا استاد شاعر سبھی پر یہ اثر برابر پڑتا ہے۔ ظہیر نے اردو غزل کو انسانی عظمت کا ترجمان بنایا۔ ظہیر کے یہاں ایک جدا قسم کا بیانیہ ملتا ہے جو ان کا اپنا تراشا ہوا ہے۔ ظہیر نے سیاسی محاذ پر بھی اپنی شاعرانہ رائے دیں دیں مگر زیادہ توجہ غزل کی معنویت سے اثیریت کی طرف مبذول رہی۔

ؔ تیری چشمِ طرب کو دیکھنا پڑتا ہے پُر نم بھی / محبت خندہ بے باک بھی ہے گریۂ غم بھی

ؔ ہم نے تو کروٹوں میں جوانی گزار دی / حسرت سے بزمِ غیر کا در دیکھتے رہے

مختار صدیقی راشد کے برعکس غزل کی معتبر آواز ہیں۔ مختار نے ذوقِ جمال کو لذتِ حیات قرار دیا۔ ان کی غزل میں رومانی مزاج ،عصری یلغار کے ساتھ مدغم ہو کر حسیاتی گونج کی فضا پیدا کرتا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کی نمائندگی کرنے والے اس شاعر نے جدیدیت اور کلاسیکیت کو ایک نئی تازدگی اور ندرت بخشی جس سے غزل کا ارتقائی سفر نے مہمیز کا کام کیا۔

ؔ آٹھ پہر آشفتہ خیالی کسی کو بھلا خوش آتی ہے / جی مانے تو ہم بھی کچھ دلجمعی کا سامان کریں

ؔ جو جو صدمے ہم پر گزرے کیسے ان کا بیان کریں / کون سا داغ نکال کے دل سے ثبت سرِ دیوان کریں

ؔ میری آنکھوں ہی میں تھے ان کہے پہلو اُس کے / وہ جو اک بات سنی میری زبانی تم نے

یوسف ظفر کو اُردو غزل کی روایت میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ یوسف نے غزل کو جاگیر درانہ عہد کی یادگار سمجھا۔ ان کے ہاں قدامت پسندی کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ محنت و مزدوری، مشقت و ریاضت کا بیان ان کی غزل کا مرکزی موضوع ہے۔ زندگی کی تلخیوں اور اپنوں کی طوطا چشمیوں کو انھوں نے غزل کے دامن میں کمال فنی چابک دستی سے سمویا۔

ؔ پھیل کر آنکھوں میں دُھندلاہٹیں لہراتی ہیں / اب مرے سامنے پردے کے سوا کچھ بھی نہیں

ؔ تو سمجھتی ہے کوئی اور نہیں تیرے سوا / میری نظروں پہ کوئی اور نہیں چھا سکتا

قیوم نظر اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں جنھوں نے غزل کے امکانات کو وسیع کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔ قیوم کی غزل میں کسی ہونی کو انہونی کرنے کی تلاش کا عمل بر سر پیکار ہے۔ دُکھ، درد اور آفات و جنجال کو انھوں نے زندگی کا ماتم بنا کر پیش کیا۔ کہیں کہیں یاسیت کے ساتھ امید کی سرخی بھی دکھائی دیتی ہے۔ ہیت کے تجربوں سے مضمون کی جمالیاتی حُسن کو مجروح کر گئے۔

ؔ مجھ کو چھپ چھپ کے بار بار نہ دیکھ / اس حقیقت کو بے نقاب نہ کر

ؔ میسر جو کسی پہلو نہ آئیں / وہی اُن کی ملاقاتیں حسیں ہیں

سیف الدین سیف اُردو غزل کے قد آور شاعر ہیں۔ سیف نے غزل کو پڑھنے سے زیادہ گنگنانے کی چیز بنایا ہے۔ سیف کا انداز بیان واقعی ہم عصر سے نرالا، انوکھا اور منفرد ہے۔ سیف نے حسن و عشق کے جملہ موضوعات کو کمال فنی چابک دستی اور جذبے کی حدت سے غزل کے سانچے میں ڈھال کر روایت کا حق ادا کیا ہے۔ سادگی اور سلاست کا جواب نہیں ہے۔

ؔ خلش یوں بھی تھی یادِ پیہم سے لیکن / بہت بھولنے پر بہت یاد آئے

ـــ چلے ہیں سیفؔ وہاں ہم علاجِ غم کے لیے / دلوں کو درد کی دولت جہاں سے ملتی ہے

شانؔ الحق حقی کا نام اُردو ادب میں عزت سے لیا جاتا ہے۔ شان نے لسانیات میں اہم کام کیا۔ انھوں نے غزل کہی اور خوب کہی۔ ان کی غزلوں کا رنگ غنائی اور موسیقی سے عبارت ہے۔ ان کے ہاں روز مرہ، محاورہ اور ہندی و مقامی الفاظ کی آمیزیش ملتی ہے۔ الفاظ کا دروبست خوب جانتے ہیں۔ حسن و عشق کے معاملات کا اتار چڑھاؤ اور سبھاؤ کے قرینے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ شان کی غزل بہترین کرافٹ اور آرٹ کی مظہر ہے۔ ڈاکٹر عقیل احمد رضوی لکھتے ہیں: "حقی کی غزل رچی ہوئی اور نکھری ہوئی ہے، ان کی غزلوں میں حسن و عشق کی نفسیات کا کلاسیکی رچاؤ نہایت عمدہ ہے۔"[۵]

ـــ ذوقِ نظر کے دم سے گوارا ہے رنجِ زیست / خود کو بھی دیکھتے ہیں تماشا سمجھ کے ہم

ـــ گردشِ جام رہے سوختہ جانوں کو نصیب / پھر بُرا کیا ہے جو یہ گردشِ دوراں بھی رہے

باقیؔ صدیقی کا شمار جدید اُردو غزل میں ہوتا ہے۔ باقی نے غزل کی جملہ کلاسیکی روایت کو من و عن نہ صرف پڑھا تھا بلکہ شعور کے نہاں خانے میں دخیل بھی کیا تھا۔ باقی کے ہاں چھوٹی بحر میں خیال کی جملہ پرتوں کا فرداً فرداً تخیلی اور تجرباتی بیان پڑھنے والے پر سحر طاری کر دیتا ہے۔ مالک رام لکھتے ہیں: " باقی صدیقی کے ہاں تیکھے پن اور طنز کی نشریت سے غزل کو اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔ زبان و بیان پر یکساں قدرت نے باقی کی غزل کو پڑھنے سے زیادہ گنگنانے کی چیز نادیا ہے۔"[۶]

ـــ زندگی ہے وہ آئینہ جس میں / اپنی صورت نظر آتی ہے

ـــ شوقِ نظارہ کا پردہ اُٹھا / نظر آنے لگی دنیا ہم کو

صباؔ اکبر آبادی نے غزل کی زبان کو لطافت کے لسانی شعور سے آشنا کیا۔ ان کی فکر کا خام مسالہ مشاہدے کے چراغ سے ماخوذ ہے۔ صبا نے غزل کو غرابت و ثقالت اور گنجلک الفاظ کی بھرمار سے باہر نکال کر سادگی و سلاست کا مرقع بنایا۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں: "صبا تخلیقی عمل میں لفظ کی قدر و قیمت اور اس کے برمحل استعمال سے بخوبی آگاہ تھے، ان کے ہاں لفظ کی نقل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔"[۷]

ـــ کسی کے نام کا خط اک نمائشِ فن تھا / ہر ایک لفظ سنوارا مصوری کی طرح

ـــ جلائیں گے پھولوں کے انگار اک دن / چِتا بن کے پھونکے گی سونی سجریا

جمیل الدین عالیؔ کا شمار اُردو شعرا میں صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ عالی جی نے دوہوں میں شہرت پائی۔ ان کی غزل پر بھی دوہے کے پیرامیٹر کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان کی غزل میں داخلی احساس کی شدت آرزومندی کی کسک کے ساتھ آمیخت ہوگئی ہے۔ افسردگی

اور قنوطیت کے بر عکس معصومیت اور ربودگی کا احساس فراواں ہے۔ حسن و عشق کے قصص کو تمثیل سے زیادہ تجرباتی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ قاضی جمال حسین لکھتے ہیں:"عالی سچائی کو جھوٹ اور دل فریبی کو دل نشینی میں بدلنے کی بجائے سیدھے سادے انداز میں بے ساختہ کہہ جاتے ہیں جو پُر اثر اور دل پذیر تجربے کی طرح روح میں اُترتا ہے"۔[8]

؎ اب تک مجھے نہ کوئی مرا رازداں ملا / جو بھی ملا اسیر زمان و مکاں ملا

؎ اتنی قدر ہوئی پر اب تک اُن سے داد کی خواہش ہے / اتنی عمر گنوائی عالیؔ پھر بھی رہے نادانوں میں

ضیاؔ جالندھری نے اُردو غزل کو اپنے اسلوب سے مزید تقویت پہنچائی۔ ضیا نے غزل کو ایک قسم کی تجربہ گاہ بنایا اور اس کی تراش خراش میں نت نئے اسالیبِ شعری متعارف کروائے۔ ان کے ہاں ایہام و ابہام کی ذو معنویت کا غلبہ ہے۔ سیاسی و سماجی انحطاط اور تہذیبی ارزانی کا نوحہ بھی تمثیلی انداز میں غزل کے پیکر میں سمونے کے ہنر میں مشاق ہیں۔ ضیا نے نظم اور غزل کو باہم مدغم کر دیا ہے جس سے فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

؎ اب ہے وہ نگاہ نہ وہ تبسم / کچھ اور تھی گاہ گاہ کی بات

؎ اب زندگی کو دیکھ کر نہ آنکھیں موند لیں / جاگے ہیں مستِ خوابِ گراں اتفاق سے

تابش دہلوی کے ہاں زبان کی صفائی، سلاست اور متصوفانہ اقدار کی ترجمانی کا ایسا شُستہ و رفتہ بیان ہے کہ غزل خود گنگانے لگتی ہے۔ تابش کو جدید غزل گو شعرا میں اساتذہ کی صف میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ان کی غزلوں میں تخلیقی و فنی پختگی کی ریاضت کا عمدہ اظہار ملتا ہے۔

؎ کیوں ہے مری تقدیر سے وابستہ زمانہ / گردش کوئی خود بھی سحر و شام تو لیتے

؎ نہ کوئی آنسو نہ کوئی نالہ، غمِ محبت سناوں کیسے / نہ کوئی فسانہ زیرِ عنواں، نہ کوئی عنواں سرِ فسانہ

اُردو غزل کو جدت اظہار، ندرت نظر اور تازگیِ بیان سے ہمکنار کرنے میں حمایت علی شاعرؔ کا بڑا ہاتھ ہے۔ حمایت نے سائنسی اور صنعتی دور کی حیران کن استعجابیوں کو غزل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ غزل ایک اظہار کا ذریعہ ہے جس میں ہر طرح کے موضوعات کو آسانی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ حمایت نے نظم اور غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی۔ حمایت کے ہاں جبر و استحال، ناانصافی اور معاشرتی ناہمواریوں کا ذکر ملتا ہے۔

؎ آنکھ کُھلی تو پلکیں نم تھیں / دیکھ لیں خوابوں کی تصویریں

؎ آئیں ہیں غمِ عشق میں ایسے بھی مقامات / دل خوں ہو آنکھ سے آنسو بھی نہ ڈھلکے

اُردو غزل میں اخلاقی اقدار کی مثبت فکر کو نمایاں کرنے میں اطہر نفیس کا بڑا حصہ ہے۔ اطہر نے غزل کو فکر سے آشنا کیا۔ ان کی غزل کا رنگ پختہ اور تازہ ہے۔ اطہر نے رومان کو بھی سطحی باندھنے کی بجائے متانت اور سلیقگی سے برتا ہے۔ محمد شمس الحق لکھتے ہیں "اطہر نفیس کی غزل میں تغزل کی رچی بسی ہوئی کیفیت متحرک اور رواں ہے جس سے تخلیقی عمل کی تازگی اور خود کلامی کا پتہ چلتا ہے۔"[۹]

ے عشق کرنا جو سیکھا تو دنیا برتنے کا فن آگیا / کاروبارِ جنوں آگیا ہے تو کارِ جہاں آگیا

ے راہِ وفا دشوار بہت تھی، تم کیوں میرے ساتھ آئے / پھول سا چہرہ کملایا اور رنگِ حنا پامال ہوا

عبید اللہ علیم کا شعری سفر اُردو ادبیات کا خزینہ ہے۔ عبید نے غزل میں عصری تنہائی، ذات کی بے چینی اور روایتی اقدار کی تنزلی کا نوحہ پیٹا ہے۔ عبید کے ہاں محبت اور نفرت کی کشمکش کا خوبصورت بیان ملتا ہے۔ عبید نے اپنا رنگِ سخن میر، ناصر، اور فراق و جون سے مستعار لیا ہے اس لیے ان کا رنگِ غزل کلاسیکی اور جدیدیت کا سنگم معلوم ہوتا ہے۔

ے مجھ پر طاری ہے رہِ عشق کی آسودہ تھکن / تجھ پہ کیا گزری مرے چاند بتا کیوں چُپ ہے

ے جتنے آگ کے دریا ہیں سب پار ہمیں کو کرنا ہیں / دُنیا کس کے ساتھ آئی ہے دُنیا تو دیوانی ہے

شیر افضل جعفری کے ہاں غزل کا مزاج معاشرت کا آئینہ بن گیا تھا۔ افضل نے پنجاب کی دیہی ثقافت اور فطرت کو غزل کا رنگ دیا۔ افضل کی زبان پر گرفت نے ان کے ہاں پنجابیت کو معاشرتی تشخص کے اظہار کا نمائندہ بنایا۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں "شیر افضل جعفری نے مقامی رنگ میں شاعری کو سکہ بند طرزِ احساس سے بچایا جس سے غزل کا مزاج انوکھا اور دل پذیر لوچ میں ڈھل گیا۔"[۱۰]

ے وقت ان سے شراب لیتا ہے / مست ہیں ماہ و سال آنکھوں میں

ے مفلسی کی تیر اندازی نہ پوچھ / آرزوئیں مات کھا کر رہ گئیں

صہبا اختر کا نام اُردو غزل کے ارتقائی سفر کی روایت میں احترام سے لیا جاتا ہے۔ صہبا نے غزل کو ایک نئی معنویت سے آشنا کیا۔ صہبا کے ہاں جمالیاتی شعور کی پرتیں اسرار کی گرہیں کھولتی دکھائی دیتی ہیں۔ صہبا نے غزل کو تخیل سے نکال کر حقیقت کے سانچے میں ڈھالا۔ محمد شمس الحق لکھتے ہیں: "صہبا نے صاف ستھری غزلیں کہیں ہیں، ان کی غزل کی خوبی اس کا ابہام سے پاک ہونا ہے۔"[۱۱]

ے خالی ہیں نعمتوں کے حسین خوان کیا کریں / یارانِ ذائقہ ہیں پریشان کیا کریں

قمر جمیل کی شاعری کا رنگ ان کا خود ساختہ ہے جس میں ان کے تخیل کو زیادہ دخل ہے۔ قمر نے خوابوں کو شاعری کا مرکز بنایا اور ایسی لفظیات اور تلازمے استعمال کیے جس سے لفظ کا صوتی آہنگ مجروح ہوا۔ قمر نے استعارات سے مابعد طبیعاتی تصورات کا کام لیا۔ ان

کی نظمیں بھی باہم الجھی ہوئی ہیں۔ زبان البتہ سادہ اور سبک روی سے عبارت ہے۔ نظم عمدہ کہتے تھے۔ شعر اچھے نکالنے کا فن انھیں خوب آتا تھا۔

ے ہم ہیں شناوروں کا اوج اپنے مسافروں کی فوج / ہم نے جلائیں موج موج اپنی خودی کی کشتیاں

ے بستر مرگ پر مجھے جینے کے خواب دے گئے / جاوں انھی کے سامنے ان کا کلام ڈال دوں

ناصر شہزاد اُردو غزل کی توانا آواز ہے جنھوں نے غزل کے اسلوب کو نئے سرے سے متعارف کروانے کی کوشش کی۔ ان کے ہاں ہندی لفظیات کا کثرت سے استعمال ایک رجحان کے طور پر سامنے آیا۔ ناصر غزل کو شہر کی فضا سے باہر نکال کر دیہات کی چیز بنا دیا۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں: "ناصر شہزاد نے غزل کو ارضی اور رنگارنگ بنایا۔ انھوں نے قصبات و دیہات کی زندگی کو تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں سے مرصع کیا۔"[۱۲]

ے قلعوں کے یہ حصار، نہیں قربتوں کے دیار / ان برجیوں کے پار ہوائے فراق ہے

ے کھیسہ ہو جب تہی تو تعلق بھی گم ہی / گھر میں ہو زر تو رشتہ ہے بھائی سے بھین کا

حبیب جالبؔ مزاحمت پسند باغی شاعر ہیں۔ ان کی نظموں اور غزلوں میں احتجاج کا عنصر فراواں ہے۔ حبیب نے زندگی کی سختیوں اور سیاست کی رنگینوں کو نظم و غزل میں یکساں بیان کیا۔ حبیب کے ہاں تغزل کا عنصر بے ساختہ نظر آتا ہے۔ سادہ، آسان اور سہل انداز میں گہری رمز بھری بات یوں کرتے ہیں کہ دل پر چوٹ کرتی ہے۔

ے پھر رہی ہیں آنکھوں میں تیرے شہر کی گلیاں / ڈوبتا ہوا سورج پھیلتے ہوئے سائے

ے درد تو آنکھوں سے بہتا ہے اور چہرہ سب کچھ کہتا ہے / یہ مت لکھو وہ مت لکھو آئے بڑے سمجھانے والے

مصطفیٰ زیدی کا شمار اُردو نظم و غزل کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ مصطفی نے غزل کو حسن و عشق کا مرقع بنا دیا تھا۔ انھوں نے رومان کو زندگی کا مقصدِ اولین قرار دیا۔ مغربی شاعری کی جملہ شعریات سے مستفید اس شاعر نے محبت کی جنسی و جسمانی لذت کو دو آتشتہ بنانے میں اپنا ہنر صرف کر ڈالا۔

ے پھول جاگے ہیں کہیں تیرے بدن کی مانند / اوس مہکی ہے کہیں تیرے پسینے کی طرح

ے وہ جن کے درِ ناز پہ جھکتا تھا زمانہ / آتے تھے بڑی دور سے چل کر اسی گھر میں

محسن احسان قد آور شاعر ہیں۔ ان کی غزل میں رومان انگ انگ میں بھرا دکھائی دیتا ہے۔ صاف زبان کے رسیا محسن نے جذبوں کی گداز کیفیات کو مترنم اور متغنم انداز میں شعر کے قالب میں کھپایا ہے۔ شعر پڑھتے ہوئے مفہوم از خود آشکارا ہو جاتا ہے۔

؎ یہی مزاج ہے اپنا کسی کا دل نہ دُکھے / جدائیوں کو بھی چاہا ہے قربتوں کی طرح

؎ کتنی خاموشی ہے بام و در و دیوار پہ آج / دل جو دھڑکا تو یہ سناٹا بکھر جائے گا

سلیم احمد نے مشینی دور کے خلاف نظموں اور غزلوں میں خوف مزاحمت کی۔ ان کی تنقید بھی خاصے کی چیز ہے۔ ان کی نظموں کا پھیلاؤ غزل کی نسبت زیادہ ہے۔ سلیم نے غزل کو اظہارِ جذبات تک محدود نہیں کیا بلکہ اسے سیاسی و سماجی تنزل کے پروردہ نظام کے خلاف بطور ہتھیار بھی استعمال کیا ہے۔ احمد جاوید نے لکھا: "سلیم احمد غالب کی طرح بت شکن تھا جس نے قدما کے دستور کو پاش پاش کر ڈالا اور اپنے لیے ایک الگ راستہ منتخب کیا جس پر وہ خود اکیلے ہی چلے۔"[۱۳]

؎ ایک اجنبی کے ساتھ میں کہاں نکل آیا / یہ تو میری بستی کا راستا نہیں لگتا

؎ دیکھ کر تجھے میں نے اور کچھ نہیں دیکھا / پھر بھی رنگ ہیں کتنے میری چشمِ حیرت میں

ساغر صدیقی کے نام سے مشہور ہونے والے محمد اختر غزل کے قد آور شاعر تھے۔ ان کی غزل حسن و محبت کی حسین امتزاج ہے۔ ساغر نے محبت پر خود کو قربان کر دیا۔ ساغر کی غزل میں تخیل کی کارفرمائی ذاتی تجربے کی لَے سے ابھرتی محسوس ہوتی ہے۔ ساغر نے معاشرتی تنزل اور متصوفانہ موضوعات کو سادہ، آسان اور سہل انداز میں پیش کیا۔ ان کے نام سے بہت سا کلام منسوب ہے جس کی حقیقت و صداقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

؎ دل کہ جس کو فقیر کہتے ہیں / ایک اجڑی ہوئی گلی ہے ابھی

؎ چند نغمے جو مرے سازِ جنوں نے چھیڑے / مستیِ چشمِ غزالاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

تنویر سپرا کا شمار اُردو غزل کے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔ عمر بھر محنت و مزدوری سے کام رکھا۔ شعر کہے اور جی بہلایا۔ تنویر کی غزل میں معاشرے کے پسے ہوئے طبقے اور نفرین آمیز خواہشات کا بیان ملتا ہے۔ سچائی، دیانت اور غیر جانبدارانہ رویئے کا اظہار ان کی غزل کا موضوع ہے۔

؎ جو صرف چھلکتے ہوئے دریاوں پر برسے / تنویر وہ برسات نہیں چاہیے مجھ کو

؎ کل تک کسی کے لمس کا کتنا تھا اشتیاق / اب رو رہا ہوں برف کے پہلو میں لیٹ کر

منیرؔ نیازی کو عہدِ حاضر کی غزل گوئی میں اہم مقام حاصل ہے۔ منیر نے شاعری کا آغاز تقسیم کے بعد کیا اور غزل و نظم میں تمثیلی جہان آباد کرنے اور علامتوں سے غزل کا کینوس پورٹریٹ کرنے میں عمر صرف کر دی۔ منیر کی غزل میں جدیدیت سے بیر اور معاشرتی ناہمواریوں سے ردعمل کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ منیر نے خواب دیکھے اور حسبِ توقع تعبیر نہ ملنے پر ماتم کیا۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں: "منیر نے غزل کے جملہ رموز و علائم میں اختراعی روش کو برقرار رکھا ان کی غزل کا دائرہ علامتوں کے وسیع تاریک جنگل کی طرح پھیلا ہے جس میں قاری جگہ جگہ بہکتا ہے۔"[۱۴]

ے ایک ہی رُخ کی اسیری خواب ہے شہروں کا اب / ان کے ماتم ایک سے، ان کی براتیں ایک سی

ے وصالِ ارض و سما کا سماں ہے جیسے کوئی / اندھیرا اتنا ہوا، کچھ سجھائی دیتا نہیں

شکیبؔ جلالی کی شاعری پاکستان و ہند میں ساحر کی طرح مشہور رہی۔ ان کی غزلیں اور نظمیں مختصر وقت میں شہرت کو جا پہنچی۔ بد قسمتی سے انھوں نے زندگی کو آگے بڑھانے میں عجلت کی اور خودکشی سے خود کو اور اُردو غزل کو حیران کر گئے۔ شکیب کے ہاں داخلی اور خارجی رجحان کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ انھوں نے غزل کو پیکر تراشی اور تمثال کاری سے مزین کیا۔

ے کتنے ہی زخم ہیں مرے اک زخم میں چھپے / کتنے ہی تیر آنے لگے اک نشان پر

ے بوجھ لمحوں کا ہر اک سر پہ اٹھائے گزرا / کوئی اس شہر میں سُستانے کو نہیں ٹھہرا

محبوبؔ خزاں کا شمار اُردو غزل کے معتبر شعرا میں ہوتا ہے۔ محبوب نے زندگی کے رنگارنگ مظاہر کو اشعار کے قالب میں ڈھالا۔ محبوب کی انفرادیت ان کے موضوعات کا چناؤ ہے۔ محبوب نے غزل کو سنجیدگی اور متانت سے مزین کیا۔ ان کے سطحی اور عامیانہ جذبات کی ترجمانی نہیں ملتی۔

ے اے دل کوئی تجھ سا بھی ستمگر نہیں دیکھا / جلووں کو شکایت کہ پلٹ کر نہیں دیکھا

ے نہ اُلجھو مرے اجنبی اس طرح / بدلتی نہیں زندگی اس طرح

شہزاد احمد کی غزل میں معاشرتی ناہمواری اور پیچ در پیچ گھتیوں کا سلجھاؤ سلیقہ شعار انداز میں ملتا ہے۔ شہزاد نے لفاظی کی بجائے نکتہ آرائی سے کام لیا۔ ان کے ہاں موضوعات کا تنوع غزل کے کینوس کو وسیع کرتا نظر آتا ہے۔ شہزاد نے اسلوب کو متانت اور سنجیدگی کے رس سے مشکبار کیا ہے۔ ممتاز الحق نے لکھا: "غیر معمولی تمثیل کاری کو فن کا درجہ دینے میں شہزاد کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کی تمثال کاری قاری کو محسور کر دیتی ہے۔"[۱۵]

؎ عشق اور بے وفائی بہت ہو چکی / اب کسی اور ہی کیفیت میں ملیں

؎ وہ روشنی تھی ستارے بھی ماند پڑنے لگے / کوئی چراغ جلایا نہ اس کے جانے تک

جونؔ ایلیا کا شمار اُردو غزل کے صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے جس نے اُردو غزل کی ساخت کو بدل ڈالا۔ اُردو غزل میں مدت بعد اگر کسی نے جدت اور ندرت کا خام مسالہ ڈال کر اس کی نیو کو مضبوط کیا تو وہ جون ایلیا ہیں۔ جون نے اُردو غزل کو عہدِ حاضر کی صفِ اول کی صنف بنا دیا۔ جون کا کام ان کے لائف اسٹائل کی وجہ سے زیادہ پہچانا نہ جاسکا۔ جون نے حیات و ماورائے حیات کے ممکنہ موضوعات کو کھنگال کر بحر، مختصر میں سادہ، آسان اور مترنم انداز میں پیش کیا ہے۔جون نے معاشرت، اخلاق، آدمیت، انسانیت، سائنسی خرافات اور کہنہ علوم وفنون کے بوسیدہ تصورات و نظریات سے بیزاری کا فلسفہ غزل میں پیش کیا گیا ہے۔

؎ اب کیا حسابِ رفتہ و آیندہ گماں / اک لمحہ تھا جو روز و شب و ماہ سال تھا

؎ ہیں ذات کا وہ زخم کہ جس کا شگافِ رنگ / سینے سے دل تلک ہے پہ خنجر ہے گُم یہاں

محسنؔ بھوپالی کی غزل کا آہنگ سب سے جدا ہے۔ محسن نے انسانی اقدار اور مذہبی اقدار کا ماتم کیا ہے۔ عہد و پیمان اور اعتماد و بھروسہ کی مضبوط دیوار کو ریت ہوتے ان سے دیکھا نہیں جاتا۔ محسن نے حسن و محبت کے رعنائی آمیز تصورات کو غزل کی زبان بنایا ہے۔ عزیز حامد مدنی لکھتے ہیں: "محسن کی غزلوں میں جبر واستحصال کے خلاف صدائے احتجاج موجود ہے، انھوں نے زندگی کی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔"[۱۶]

؎ تجھ پہ کُھل جائے گا خود اپنے بھی ہونے کا جواز / لا کبھی عکس کو آئینہ جاں سے باہر

؎ ہماری سخت جانی کوئی دیکھے / بلائیں حامی و ناصر رہی ہیں

احمد فرازؔ کی شاعری اپنے عہد کی ترجمان شاعری ہے۔ احمد نام واحد شاعر ہیں جنھیں بطور شاعر ہر مکتبہ فکر سے عزت ملی اور وقار کی نگاہ سے دیکھت گئے۔ فراز نے زندگی کو جام کی طرح پیا اور ہر کیفیت کو رومان اور محبت کے حسین امتزاج سے شعر میں گوندھ کر روح کی سرشاری کا لمسِ جادواں بنا دیا۔ فراز کے ہاں معاشرتی ناہمواریوں، سیاسی تخریب کاریوں اور تہذیبی ارزانیوں کا جملہ احتجاجی بیان ملتا ہے۔ فراز نے غزل کو بغاوت کا علم بنایا اور اپنے وطن و زمین سے محبت کا حق ادا کیا۔

؎ ہر اک کو زعم تھا کس کس کو ناخدا کہتے / بھلا ہوا کہ سفینہ کنارے جا لگا

؎ پھر تو نے چھیڑ دی ہے کئی ساعتوں کی بات / وہ گفتگو نہ کر کہ تجھے بھی ملال ہو

امجد اسلام امجدؔ اُردو غزل کے رجحان ساز نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی نظمیں اور غزلیات عہدِ جدید کی مخصوص صورتحال کی عکاس ہیں۔ امجد اسلام امجد نے متعدد جہات پر کام کیا اور یادگار سرمایہ چھوڑا۔ حال ہی میں ان کا انتقال اُردو ادب کے لیے گراں خسارے کا سبب بنا۔ امجد نے محبت کو شاعری کی معراج اور چہرہ بنایا۔ ان کی غزل میں حسن وعشق اور محبت وعقیدت کا جو انداز ملتا ہے وہ ان کا اپنا تراشیدہ ہے۔ خوبصورت لب ولہجے کے شاعر ہیں۔

ے دل ہمارا ہے چاند کا وہ رُخ / جو ترے رُخ کی روشنی میں نہیں

ے اشکوں میں جھملاتا ہوا کس کا عکس ہے / تاروں کی رہگذر میں یہ ماہ رو ہے کون!

شبنمؔ رومانی کی رومان انگیز غزلیں ان کی فنی پختگی کا پتہ دیتی ہیں۔ شبنم نے ایمایت اور اعجاز سے کام لیا۔ ان کے ہاں تہذیبی روایات کی ارزانی کا ماتم ملتا ہے۔ مایوس اور ناامید ہونے کی بجائے اچھے وقت کا انتظار ان کی شاعری میں پڑھنے والے کو حوصلہ اور تازگی فراہم کرتا ہے۔ شبنم نے غزل کو لطیف اور کومل پیرائے میں تراش کر مرصع کیا ہے۔ مصرعوں کی روانی اور چستی زبان پر گرفت کا پتہ دیتی ہے۔

ے رات جس طرح گزرتی ہے سرِ محفلِ شوق / دن اُسی طرح سرِ دشتِ منیٰ گزرا ہے

عزیزؔ حامد مدنی اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے "جدید اُردو شاعری" لکھ کر اُردو شاعری کے وسیع جہان کو یکجا مقید کر دیا ہے۔ عزیز کے ہاں جذبوں کی سرشاری کا مجموعی تاثر ملتا ہے جس سے احساس کی نزائی کیفیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ شمیم احمد نے لکھا: "مدنی صاحب نے اپنی نظموں اور ذلوں میں نووادتجربوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ عمل کسی اور شاعر کے کم دکھائی دیتا ہے۔"[۱۷]

ے وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے / گئے تو کیا تری بزمِ خیال سے بھی گئے

ے وفا کی داستانیں سننے والا کون تھا لیکن / خدا کا شکر ہے دو چار آنکھیں ہو گئیں پرنم

مشفقؔ خواجہ کی مشفق آرائیاں اُردو ادب کی زینت ہیں۔ انھوں نے تنقید وتحقیق میں عمدہ کام کیا۔ بطور شاعر ان کی غزل کا رنگ کلاسیکی روش کا غماز ہے۔ مشفق نے زندگی کے نشیب و فراز کو جس طرح دیکھا ویسے ہی غزل کے سانچے میں ڈھال دیا۔ زندگی کی تلخی، ناہمواری اور معاشرتی جبر کے متشدد درویئے کو نرمل، کومل اور دل پذیر الفاظ میں بیان کرنے کا خداداد سلیقہ رکھتے تھے۔

ے دب گیا زیرِ زمیں اک غم شدہ حیران شہر / دیکھتا ہے خواب سے اُٹھ کر تجھے ویران شہر

ے کسی نگاہ پہ اُن ساعتوں کا رمز کھلے / جو خود نما سب زندگی میں ڈھلتی ہیں

اسلم انصاری کی غزل کا رنگ کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ جدت سے ہم آغوش دکھائی دیتا ہے۔ اسلم کے ہاں تمثال نگاری کا اہتمام تخصیصی توجہ لیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال لکھتے ہیں: " اسلم انصاری کی غزل خارجی تجربے اور داخلی واردات کی کشمکش کو اظہار کا سلیقہ عطا کرتی ہے جو تخلیقی عمل کے تکنیکی تجربے کو وسعت بخشتا ہے۔"[۱۸]

؎ نقش ایسا ہو کہ تصویر بنا دے سب کو / عکس ایسا ہو کہ بہتا ہوا دریا ٹھہرے

؎ جانے والے کو کہاں روک سکا ہے کوئی / تم چلے ہو تو کوئی روکنے والا بھی نہیں

فارغ بخاری عمدہ غزل گو ہیں۔ ان کے ہاں تجربوں کی نت نئی واردات غزل کے قاری کو چونکانے کا کام کرتی ہے۔ فارغ نے مصرعوں کے اوزان میں متعین وزن سے انحراف کیا اور اپنے انفرادی رنگ کو رائج کرنے کی کوشش بھی کی۔ فارغ کے ہاں خیال کی سطح عمومی نوعیت کی اور بیان کا انداز کلاسیکی طرز کا ہے۔ فارغ کی غزل میں لسانیاتی اُپج کا تغیر مشاہدے کے تاثر کو مجروح کرتا دکھائی دیتا ہے۔

؎ زندگی کی دھڑکنوں کو جس نے تھا جکڑا ہوا آپ بھی ہم کو وہی زنجیر پہناتے ہیں

؎ اول اول وہ نظر اک بادہ گلفام تھی / آخر آخر شکستہ جام ہو کر رہ گئی

غلام محمد قاصر کو اسی قبیل کی شعری روایت کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو ان کی غزل اپنے عہد کی ترجمان معلوم ہوتی ہے۔ قاصر نے مروج اوزان کے نظام سے انحراف کرتے ہوئے نئے تجربات کیے ہیں جس سے غزل کے امکانات میں وسعت آئی ہے۔

؎ ہوئی ہیں بند آنکھیں خواب جاگے / سمندر سو گئے گرداب جاگے

؎ کروں گا کیا جو ہو گیا محبت میں ناکام / مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

ثروت حسین کی شاعری کا اعجاز ان کی کلاسیکی روایت سے وفاداری کے عہد کی اُستواری ہے۔ ثروت نے قدیم رنگِ سخن کو جدید طرز سے ہمکنار کیا ہے۔ ان کی غزل میں تلمیحات کے ذریعے شعر کی پرتوں میں جذبوں کی حدت سُلگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

؎ اک روز میں بھی باغِ عدن کو نکل گیا. توڑی جو شاخِ رنگ فشاں ہاتھ جل گیا

؎ جسے انجام تم سمجھتی ہو / ابتدا ہے کسی کہانی کی

محسن نقوی نے غزل کو رومانیت کا مرکزی دروازہ قرار دیا جس سے گزر کر دل محلے کی سیر کی جاتی ہے۔ محسن نے انسانی توقیر کی ارزانی اور معاشرتی اقدار کی گراوٹ کو مذہبی منافرت سے منسوب کر کے دیکھا اور پھر خود اسی منافرت کا شکار ہو گئے۔ محسن کی غزل ایک وسیع تخیلی کائنات کا احاطہ کرتی ہے جس میں عہد و پیمان سے ہجر و وصال کی جملہ داستانِ لیلائی ملتی ہے۔

؎ تمام رات رہی دل میں روشنی کی لکیر! / مثالِ شمعِ سحر وہ بھی جل بجھی اب تو

ے تم تو نزدیک رگِ جاں تھے، تمھیں کیا کہتا؟ / میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو

خورشید رضوی غزل کی خدمت میں گشتہ نصف صدی سے اپنا تخلیقی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خورشید کے ہاں متفرق زبانوں کی لفظیات کا خزینہ موجود ہے جسے بر محل اور بر موقع استعمال کرنے کا سلیقہ انھیں خوب آتا ہے۔ زبان و بیان پر یکساں قدرت نے خورشید کی غزل کو افلاکی تابانی بخشی ہے جس سے مضمون کی ترسیل میں روانی کا بہتا دھارا محسوس ہوتا ہے۔

ے تھم جا پل بھر سمندِ ایام / اک لمحہ ملا ہے عمر بھر میں

ے کون سی سمت سے توڑوں خود کو / ہے کہیں مجھ میں کوئی بات عجیب

ظفر اقبال کا فنی سفر پچاس برس سے زیادہ ہو چلا۔ ان کے ہاں غزل میں کئی تجربات ہوئے اس کے باوجود مطلع نکالنے اور مصرعے تراشنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کی لفظیات کثیر اللسانی اور ذو معنویت کی حامل ہیں۔ غزل کا رنگ سطحی ہونے کے باوجود معاشرتی ارزانی اور اخلاقی تنزل کے ملے جلے گلہ آمیز خیالات کا بیان غلبہ کیے ہوئے ہے۔۔ ظفر نے اینٹی غزل کے چکر میں غزل کا حلقیہ بگاڑ ڈالا۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں:" ظفر اقبال نے کثیر اللسانی لغات کو غزل کے تنگ دامن میں ٹھونس کر مضحکہ خیزی کی جو صورت پیدا کی اُس سے اینٹی غزل کا رجحان تقویت پکڑنے کے باوجود زیادہ دیر چل نہ سکا۔"[۱۹]

ے اُسی چوکھٹ پہ پڑا رہتا ہے / دل ہے، کیا کیجیے غرضی ہے میاں

ے وہ روٹھتا رہے اور ہم اُسے منایا کریں / کہا تھا کس نے یہ تقسیمِ کار کرنے کو

باصر سلطان کاظمی ؛ناصر کاظمی کے صاحبزادے ہیں۔ بطور شاعر ان کی اپنی جدا شناخت ہے۔ باصر کے ہاں اپنے والد کی طرح ہجرت کے مسائل، تنہائی اور اداسی کے مضامین ہونے کے باجود جدید فضا کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ باصر نے غزل کے امکانات کو اپنے شعری تجربے اور مشاہدے کی طولانی سے وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں قدامت کی نسبت جدت، تازگی اور ندرت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

ے ایک دُشمن کی کمی تھی باصرؔ / وہ بھی اک دوست نے پوری کر دی

ے بنا علاج بھی جیتے تھے اچھے خاصے ہم / مرض تو کچھ بھی نہ تھا مر گئے دوا سے ہم

ڈاکٹر منور ہاشمی نوے کی دہائی کے ممتاز غزل گو شاعر ہیں۔ ڈاکٹر منور ہاشمی تدریس و تحقیق کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ ان کی غزل کا آہنگ کلاسیکی روایت کے تتبع کا آئینہ دار ہے۔ منور ہاشمی کے ہاں تغزل کے خالص نمونے ملتے ہیں۔ منور ہاشمی نے غزل کے جملہ اسالیب سے

استفادہ کرتے ہوئے اپنے لیے الگ کینوس پوٹریٹ کیا اور کامیابی سے اپنے عہد کی مخصوص سیاسی و سماجی اور اقتصادی صورتحال کی ترجمانی کی۔ منور کی غزل میں زبان وبیان کے علایم ورموز کا خیال بطور خاص رکھا گیا ہے جس سے شعر کی حسیت میں تفہیم کی سہولت بڑی آسانی سے در آئی ہے۔

۔ ایک لمحہ میرے آگے نہ رکا وہ منظر / میں نے جس کے لیے بینائی بچا رکھی تھی

۔ کرچی کرچی عکس ہو جاتا ہے ہر تدبیر کا / ٹوٹ بھی جائے کبھی گر آئینہ تقدیر کا

سلیم کوثر کی غزل کا اسلوب جدگانہ مزاج کا حامل ہے۔ سلیم نے غزل کے فنی معیار کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے آرائشی عناصر سے مصرعوں کے دروبست کا نظام وضع کیا ہے۔ غزل کو خارجی عناصر کی نسبت داخلی حسیت سے مزین کرنے کی شعوری کوشش خیال کی سطحوں کو موسیقی کے مترنم آہنگ سے ہم آہنگ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

۔ ایک صفحہ کہیں راتخ سے خالی ہے ابھی / آخری جنگ سے پہلے تمہیں مہلت دوں گا

۔ مرا حصہ بھی ہے اس روشنی میں / پسِ دیوار شب میں بھی جلا ہوں

افتخار عارف کی غزل میں فکری اپچ کا جہان آباد ہے جس میں سماج اور معاشرے کے تنزل کا نوحہ بھی ملتا ہے اور حُسن و محبت کا کلاسیکی روایتی انداز بھی موجزن دکھائی دیتا ہے۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں: "افتخار نے کلاسیکی روایت کو خوش سلیقگی سے نبھایا اور بے تکلف لہجہ پیدا کیا۔ ان کی آواز میں سوز، نرمی اور گداز ہے جو عین غزل کی زبان ہے۔"[۲۰]

۔ شکستِ خوابِ گزشتہ پہ نوحہ خوانی ہوئی / پھر اس کے بعد سجی محفل شبینہ خواب

۔ ذرا سی دیر کا ہے یہ روجِ مال و منال / ابھی سے ذہن میں سب زاویے زوال کے رکھ

عہدِ حاضر کے توانا اور غزل کی آبرو کے سند یافتہ شاعر احمد مشاق ہیں جن کی شعری حسیت نے اُردو غزل کو مہجری موضوع کے آفاقی تصور سے آگاہ کیا۔ احمد مشتاق کا فنی سفر پچاس برس سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور ہنوز جاری ہے۔ احمد مشتاق کی زبان اور اسلوب میں غزل کی صدیوں کی روایت بول رہی ہے۔ احمد نے غزل کو محبت کی زبان بنایا اور نفرت کے آلودہ ماحول سے بچایا۔ احمد کے ہاں زندگی کے جملہ موضوعات کی شاعرانہ اُپج دکھائی دیتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے لکھا: "احمد مشتاق کی شاعری ایک زمانہ کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ بلاشبہ اُردو ادب میں عہدِ حاضر کا سب سے بڑا شاعر اگر کسی کو قرار دیا جائے تو احمد مشتاق اس انتخاب پر پورا اُترتا ہے۔"[۲۱]

۔ تو دیارِ حُسن ہے، اونچی رہے تیری فصیل / میں ہوں دروازہ محبت، کھلا رہتا ہوں میں

۔ کچھ تو سراغ مل سکے موسمِ دردِ ہجر کا / سنگِ جمالِ یار پر نقش کوئی بنائیے

صابر ظفر کا تخلیقی سفر پچاس برس کو محیط ہے۔ اب تک ان کے پچاس کے قریب شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ صابر کے ہاں بسیار نویسی کے باوجود موضوع کی ندرت اور خیال کی تازگی کا عنصر باقی ہے۔ صابر روزمرہ مشاہدات اور تخیلی تصورات سے غزل کے گلستان میں بیل بوٹے کھلاتے، اگاتے اور تراشتے رہتے ہیں۔

ے وہ دل ہی کیا، دھڑک کے، قیامت نہ جس نے کی / زندہ بھی ہے وہ شخص، محبت نہ جس نے کی

ے میں نے ہموار کر لیا آخر / تیرے دل میں خرام کا رستہ

جلیل عالی کا شعری سفر بھی صابر کی طرح نصف صدی کو محیط ہے۔ یہ معمر شاعر اپنے رنگِ سخن میں تازگی اور شگفتگی کے عنصر کو ہنوز برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ جلیل کے ہاں انسانی جذبوں کے توسط سے احساسات کی دُنیا بسانے کی شعوری کوشش ملتی ہے جس میں وہ باآسانی شعر نکالنے کے فن سے آشنا ہیں۔

ے ہر اک منزل پہ کچھ منظر سہانے ڈھونڈ لیتا ہے / سفر میں دل، بہلنے کے بہانے ڈھونڈ لیتا ہے

ے دُھن ہے کہ سجے گھر بھی دل میں ہے مگر ڈر بھی / دیوار نہ گر جائے تصویر بدلنے سے

غلام حسین ساجد کا شمار عہدِ حاضر کے توانا شعرا میں ہوتا ہے۔ غلام حسین کے ہاں خیال کے تخیلی تسلسل کا عنصر فراواں ملتا ہے۔ غلام حسین نے اندر کی دنیا کی بجائے خارج کے جملہ مظاہر کو غزل کا موضوع بنایا جو ان کا اپنا شخصی انفراد ہے۔

ے تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہے نیند مری / فشارِ خواب سے چھلکا ہوا ایاغ ہوں میں

ے چراغ جل نہ سکے گا جو اُس کی آنکھوں میں / دھروں گا اُس کو کسی طاق پر اُٹھا کر میں

خالد شریف کا شمار ممتاز غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ خالد ایک معمر شاعر ہیں۔ ان کا تخلیقی سفر پچاس برس کو محیط ہے۔ خالد کے ہاں زندگی کے متنوع تجربات کا عنصر ملتا ہے۔ خالد کی شہر کی زندگی کی بے اطمینانی اور بے چینی کو شعر کا پیرہن بنایا ہے۔ خالد کا مزاج ایک ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے جس میں بھنور کرب لیتا دکھائی دیتا ہے۔ رشتوں کے تقدس اور ان کی اہمیت خالد کی شاعری کا مرکزی محور ہے۔

ے اک دشتِ رضا تھا اسی رستے کے کنارے / اے راست رود! اس رہِ پامال سے آگے

انور مسعود عہدِ حاضر کے مقبول ترین معمر شاعر ہیں۔ان کا پنجابی کلام ان کی شہرت ہے۔ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی۔اُردو میں قطعات میں نام کمایا۔ اُردو غزل میں سنجیدہ موضوعات پر قلم اُٹھایا۔ معاشرتی ناہمواریوں اور مناقشوں کے تضادات کا مزاحیہ اور کہیں گہرے طنزیہ انداز میں اظہار کرتے ہیں۔ قرات اور پڑھنت کے معاملے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔اپنا اندازِ رنگ سب سے جدا رکھتے ہیں۔

ے کوئی اک بات ایسی کہہ گیا تھا / تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا تھا

ے ابھی جو دیکھ رہی تھی نگاہ بھر کے مجھے / کدھر گئی مرا روزہ خراب کر کے مجھے

محمد اظہار الحق عہدِ حاضر کے جید شعرا میں شاملِ فہرست نمایاں شاعر ہیں جنھوں نے دنیا کے معاملات کے ساتھ متصوفانہ موضوعات اور اسلامی تہذیب و تمدن کے روشن آثار کو غزل کی زبان بنایا۔ ان کی فکر میں گہرائی اور کلام میں شعری اظہار کی انفرادیت دکھائی دیتی ہے۔ان کا اندازِ بیان سنجیدہ، وجیع اور ٹھہراؤ کا تاثر لیے ہوئے ہے۔غلام حسین ساجد نے لکھا:" محمد اظہار الحق کی غزل کا سارا منظر الف لیلوی ہے۔ان کی غزل مسلم تہذیب کے عروج و زوال کے در کھولتی متعارف کرواتی نظر آتی ہے۔"[۲۲]

ے سُموں تلے روند دے خوشی سے مگر یہ سن لے / گناہ اے شہ سوار میں نے کہیں کیا تھا

افضال احمد سید اپنی نظموں کے ماورائی حُسن بیان کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی غزل میں یہی پُر اسراریت پائی جاتی ہے۔ افضال کے زبان سے دلچسپی اس کی صناعی کے پیش نظر غزل کو کلاسیکی رنگ سے ممیز کرنے اور جدیدیت سے ہمکنار کرنے میں کمک فراہم کرتی ہے۔افضال نے تراکیب اور تلمیحات کے متنوع استعمال سے شاعری کا قصر مرصع کیا ہے۔

ے جب مقابل وہ سرشتِ شر رایجاد آئی / خود سے وحشی کو بھی فتراک سے آمادہ کیا

ے اک شام تیرے ساحلِ بے اختیار پر / اک مرگِ بے نوشتہ تقدیر چاہیے

خالد اقبال یاسر جواں مرگ شاعر تھے۔ان کی غزل میں الفاظ کی از سرِ نو تشکیل و ترمیم کا فنی التزام حیران کن ہے۔یاسر کی غزل میں ایک طرح کر کربلائی صورتحال دکھائی دیتی ہے گویا وہ حق و باطل کی کشمکش میں کسی ایک کے حق میں سرنگوں ہونے کی جدوجہد میں نہال اپنی شناخت کے معمہ کو سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ے بھول جانا تھا جسے، ثبت ہے دل پر میرے / یاد رکھنا تھا جسے،اُس کو بھلا بیٹھا ہوں

ے لپکتے جاتے ہیں سارے ہی رونقوں کی طرف / جہاں ہے کوئی اکیلا وہاں کوئی تو ہو

سحرؔ انصاری اکیسویں صدی کا ہنوز اُردو غزل کا بڑا نام ہے جو ظفر اقبال، افتخار عارف اور احمد مشتاق کی صف میں شامل ہے۔ سحر نے غزل کو محبت کی زبان قرار دیا ہے۔ سحر کے ہاں زندگی آلام و افکار کا مجموعہ ہے جسے بحر صورت زیست کرنا پڑتا ہے۔ شمس الرحمن فارقی نے لکھا" سحر انصاری کی غزل کا پھیلاؤ جدیدیت کے سیاق کو آفاقی صداقت بناتا نظر آتا ہے۔ سحر نے روایتی قدغنوں سے احتراز کرتے ہوئے غزل کو ذہنی حساسیت کا ترجمان بنایا ہے۔"[۲۳]

ے خوشی سے پی لیا زہر اب زندگی ہم نے / ہماری آنکھ میں اشکِ غم رواں نہ ملا

ے یوں تو اک لمبا سفر ہے یہ شبِ فرقت مگر / آپ آجائیں تو لمحوں میں سمٹ جائیگی رات

انورؔ شعور قد آور شاعر ہیں۔ ان کے ہاں متنوع اسالیبِ شعری کا امتزاج ملتا ہے۔ انور نے کلاسیکی روایت کو بھی نبھایا اور جدیدیت سے بھی متصل رہے۔ انور کے ہاں انسان بذاتِ خود مرکزی موضوع ہے۔ انور نے عشق اور حُسن اور معاملاتِ حُسن کا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے ہاں اخلاقی اقدار اور معاشرتی عدم توازن کی ارزانی کا شدید تنقیدی رجحان ملتا ہے۔

ے کہاں ہے اب وہ مشقِ آوارگی کی / سنبھل جاوں گا لیکن لڑکھڑا کے

ے ایک ایک چیز وقت کے ہاتھوں بکھر گئی / دل میں بسی ہوئی ہے تری آرزو ہنوز

پیرزادہ قاسمؔ کے ہاں زندگی کے متنوع موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کا سفر پچاس برس کو محیط ہے۔ قاسم نے سائنسی علوم کے وسیع مطالعہ کا حاصل اُردو شاعری میں مشاہدے کی مدد سے انڈیل دیا۔ قاسم کی غزل کا رنگ تازگی اور جدت کا پرتو ہے۔ قاسم نے پاکستانی سماج کی خلفشاریوں اور سیاست کے ایوانوں میں ہونے والی تخریب کاریوں پر کھل کر لکھا ہے۔ قاسم کی غزل سراپا احتجاج کا عکس پیش کرتی ہے۔

ے پیاسی زمین کو ایک جُرعہ خون ہے بہت / میرا لہو نچوڑ کر پیاس بجھا دیا کرو

ے یہ میری ہار تھی، کارِ جہاں سے ہارا میں / بچھڑنے والے تجھے یاد آنا چاہیے تھا

سعودؔ عثمانی کی غزل کا کینوس تشکیک سے عبارت ہے۔ مسعود نے اجتماعی تشخص کے فلسفے کو تج کر اپنی انفرادیت قائم کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ مسعود کی غزل میں خارجی عوامل کی کارفرمائی داخلی نظام کو متاثر نہیں کرتی۔ ایک طرح کا نرگسی روئیہ ان کی غزل پر گہری چھاپ ثبت کیے ہے۔

ے میں دشتِ جاں میں بکھر کر بھی شادماں ہوں سعودؔ / کہ دُکھ بہت ہیں مگر رنجِ رائیگانی نہیں

ے راہ تھی سرخ گلابوں کے لہو سے روشن / پاؤں رکھا نہیں جاتا تھا، مگر رکھا تھا

عباس تابش پاکستانی اُردو غزل کے دورِ حاضر کا نمائندہ شاعر ہے۔عباس کی غزل نے غزل کے وسیع امکانات کو روشن کیا۔کلاسیکی روایت میں جدت کا عنصر آمیختہ کر کے غزل کے قد کو بڑھانے میں عباس کا بڑا ہاتھ ہے۔عباس کی شاعری معاشرے کے اجتماعی احساس کی شاعری ہے۔عباس نے جذبات واحساسات کو خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ان کے اشعار غزل سے جدا کر دیئے جائیں پھر بھی ان میں تکمیلِ موضوع کی قطعیت کا احساس ہوتا ہے۔

؎ پلکیں بھی بہہ گئیں خس وخاشاک کی طرح / میں اپنے ساحلوں کے اثر سے نکل گیا

؎ دیوار ہے کسی کی، دریچہ کسی کا ہے / لگتا ہے گھر کا گھر ہی اثاثہ کسی کا ہے

شاہین عباس نے اُردو غزل کو متروک اور مردود کیے ہوئے الفاظ سے روشناس کروایا۔شاہین کی غزل کا رنگ کلاسیکی ہے مگر موضوعات اور مسائل عہدِ حاضر کے ہیں۔انسانی بے توقیری اور رزالت کی کمین سوچ کا پروردہ نظام انھیں بہت کھٹکتا ہے۔مصرعے تراشنے اور باریک نکات کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔سادہ، آسان اور رواں اندازِ شعر؛شاہین کا انفرادی وصف ہے۔

؎ پانی یہاں سے چل دیا تجھ کو پکارتے ہوئے / بیٹھ اب اپنے حوض پر پانی کا انتظار کر

؎ میرے لہجے سے خون رِسنے لگا / خامشی کو دُعا بناتے ہوئے

اکبر معصوم کی غزل میں سادگی، سلاست اور روانی ملتی ہے۔اکبر نے سیدھے سادے انداز میں غزل کا سانچہ تیار کیا ہے جس میں مشکل سے مشکل موضوع اور تاثر کو آسانی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔اکبر کی غزل تنہائی، کربِ ذات اور سماجی انحرافات سے متشکل ہوئی ہے۔اکبر کے ہاں ایک تخیلی دنیا ہے جس کے موجد اور خاتم اکبر خود ہیں۔شعر عمدہ کہتے ہیں اور مصرعے نگینے کی طرح چمک دار ہوتے ہیں۔اکبر کی غزل پر اساتذہ فن سے استفادہ کا گہرا رجحان ملتا ہے۔

؎ مجھ کو تو وہ بھی ہے معلوم، جو معلوم نہیں / یہ سمجھ بوجھ نہیں ہے، مری نادانی ہے

؎ بستر پہ گر رہی ہے سیہ آسماں سے راکھ / وہ چاندنی کہاں ہے، وہ مہ رو کہاں گیا

مقصود وفا عمدہ غزل کہہ رہے ہیں۔ان کی غزل میں ایک نامعلوم سی حساسیت اور تشکیک ملتی ہے۔مقصود نے حوادثِ زمانہ کو معاشرے کی جداگانہ روش سے مملو کر کے دیکھا ہے۔مقصود کے ہاں شکایتِ دروں بینی اور تفاوتِ شرکتِ غیر کا فلسفہ تصنع رنگ کا ملمع اختیار کیے قاری کے حواس کو ششدر کرتا ہے۔

؎ کھل کے میں وصل کی باتیں نہیں کرتا پھر بھی / باتوں باتوں میں تقاضا تو کیا ہے میں

؎ یہ جو ویرانی میں خوشبوئے صبا شامل ہے / اس تباہی میں تو لگتا ہے خدا شامل ہے

ڈاکٹر ضیا الحسن عہد حاضر کی غزل کا توانا سنجیدہ شاعر ہے۔ضیا الحسن جامعہ پنجاب میں اُستاد ہیں۔ان کی تحقیقی و تنقیدی تخلیقات نے شاعری کی اُٹھان کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔بطور شاعر ضیا الحسن کم گو شاعر ہونے کے باوجود تغزل کے اعتبار سے ایک جداگانہ شناخت رکھتے ہیں۔

ے خواب وخیال سمجھے تو موجود ہے جہاں / کچھ بھی سوائے نکتہ موہوم کچھ نہیں

ے ہم بھی نہیں ہوں گے یہ جہاں بھی نہیں ہو گا / کچھ ایسے مٹیں گے کہ نشاں بھی نہیں ہو گا

احمد حسین مجاہد کی غزل کا رنگ کلاسیکی مزاج سے ثقیل ہونے کے بعد جدت کی تاثیر لیے ہوئے ہے۔احمد نے تلاش اور جستجو کے عمل کو شعوری طور پر قبول کیا اور اس آوارگی میں خوب لطف اُٹھایا ہے۔احمد حسین کے ہاں لفظیات کا ایک خاص رچاو ملتا ہے جو مضمون کی تفہیم میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

ے تجھ حُسن سے معاملہ کس آن میں ہوا / میں تو جوان ہی میر کے دیوان میں ہوا

ے اک نئی منزل کی دُھن میں دفعتاً سر کا لیا / اس نے اپنا پاؤں میرے پاوں پر رکھا ہوا

قمر رضا شہزاد کا نام اُردو غزل کی اکیسویں صدی میں نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔انھوں نے اپنی ایک الگ پہنچان بنائی ہے جس میں یہ کامیاب رہے۔غزل میں مکالمے کی فضا غالب سے مستعار معلوم ہوتی ہے۔الفاظ کے سبھاؤ اور استعمال کے قرینے سے خوب آگاہ ہیں۔

ے بہت مجبور لوگوں میں رہا ہوں / نہیں معلوم کیا تاریک کیا روشن رہے گا

شناور اسحٰق عمدہ شعر کہتے ہیں۔نسلی خلا اور اس سے متاثر ہوتی مشرقی اقدار کا نوحہ شناور کی غزل کا پسندیدہ موضوع ہے۔شناور نے مذہب کی مصنوعی تاویل کو مادہ پرستی کے تناظر میں دیکھا ہے۔ان کے ہاں محاکات اور امیجری کی ملی جلی کیفیت ملتی ہے۔

ے اب تو وہ نسل بھی معدوم ہوئی جاتی ہے / جو بتاتی تھی فسادات سے پہلے کیا ہوا تھا

ے کسی خیال کی شبنم سے نم نہیں ہوتا / عجیب درد ہے بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا

ادریس بابر عہدِ حاضر کی توانا آواز ہی۔ادریس نے نظموں اور غزلوں میں اپنے افکار کی ترجمانی کا انفرادی اسلوب تراشا ہے۔ادریس کے ہاں سماج کے کھوکھلے نظام اور مشرقی اقدار کی آئے روز بگڑتی صورتحال کا مخصوص بیانیہ ملتا ہے۔ادریس نے 'نفس فی ذات' کے

وسیلے سے اپنے دور کی نوجوان نسل کو اندھے کنویں میں گرنے سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ شعر کا رنگ و آہنگ قاری کی توجہ کو مبذول کرتا ہے۔

؎ اس زمیں پر اجنبی ہونے کا غم / پھر وہی ہم، پھر وہی ہونے کا غم

؎ ہمیں اب صبر کرنے کا نہ کوئی مشورہ دے / کہ ہم یہ تجربہ پہلے سے کر بیٹھے ہوئے ہیں

اعتبار ساجد پاکستانی ممتاز شاعر ہیں۔ ان کی لفظیات علامتی فطرت سے ہم کلام کرتی ہیں۔ اعتبار ساجد نے غزل کا کینوس فطرت کے رنگارنگ مظاہر پر رکھا ہے۔ انسانی جذبات کی وسیع کائنات کو اعتبار کے ہاں خاص معنویت حاصل ہے جس کا ذکر ان کے مشقت طلب مصرعوں میں بڑے رچاوٹ سے دکھائی دیتا ہے۔ اعتبار ساجد کا نصف صدی کا شعری سفر اُردو غزل کے ارتقا کا اہم حوالہ ہے۔

؎ میں خوشبوؤں کا پیمبر ضرور ہوں ساجد / مگر معاملہ اس شہر بے فضا کا ہے

؎ نکہت و نور کا سفر تو نے تو خیر طے کیا / کشتہ رہگذر ہوئے پھول، چراغ، شام، دل

حسن عباسی ممتاز شاعر ہیں۔ شعر کہتے ہیں لیکن شعریت کو مجروح نہیں ہونے دیتے ہیں۔ سوال اُٹھانے اور جواب سے عاجز کر دینے کی شعری حساسیت رکھتے ہیں۔ حسن کے ہاں مذہبی سے دلچسپی اور مذہبی تاویلات سے موجودہ صورت کو جواز فراہم کرنے کا سلیقہ بطور خاص دکھائی دیتا ہے۔

؎ شرط اتنی کہ بارش کی طرح تم آنا / دیکھنا کیسے میں شاخوں سے نکل آؤں گا

؎ اُس اجنبی سے ہاتھ ملانے کے واسطے / محفل میں سب سے ہاتھ ملانا پڑا مجھے

اظہر فراغ کے ہاں مرکز سے دور معاشرت کی ترجمانی کا روایتی انداز ملتا ہے۔ اظہر نے روایت کو جدید ہم عصر شعری تقاضوں کے ساتھ مدغم کرنے اپنے شعری بیانیے کی عمارت استوار کی ہے۔ اظہر کی نکتہ آرائی اور تمثیلی واردات کا شعری آہنگ غضب کا ہے۔ اظہر کے ہاں قدیم روایت اور سماجی ثقافت کے کہنہ تمدن کا ناسٹلیجا موجود ہے جس نے غزل کو ماضی پرست بنا دیا ہے۔

؎ ہم اگر اب کے سال بھی نہ ملے / پھر ادھیڑو گی تم سویٹر کیا

؎ تیری شرطوں پہ ہی کرنا ہے اگر تجھ کو قبول / یہ سہولت تو مجھے سارا جہاں دیتا ہے

اتباف ابرک جدید لب و لہجے کے نوجوان شاعر ہیں۔ ان کے ہاں جذبات کی شدت اور رشتوں کی منافقت کا ردعمل بہت گہرا ملتا ہے۔ سماجی توازن کے انحطاط کو دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ الفاظ کے مرادی معنوں میں تصرف سے شعوری کام لیتے ہیں۔ بے باک اور کاٹ دار اسلوب کی روایت میں عمدہ شعر نکالنے کا فن جانتے ہیں۔

؎　آج لگتا تھا بس تماشا تھا　/ وہ تعلق جو بے تحاشا تھا

محمد سلیم ساگر نوجوان شاعر ہیں۔ عمدہ غزل کہتے ہیں۔ یاسیت اور درد و کرب سے مملو اشعار دہلوی دبستان کی روایت سے استفادے کی یاد دلاتے ہیں۔ مرورِ وقت کے ساتھ سلیم کا لب و لہجہ سامنے آئے گا۔

؎　میری دھڑکن کی گواہی تو مرے حق میں نہیں / ایک احساس سا رہتا ہے کہ ہوں زندہ ہوں

قیصر وجدی عمدہ شاعر ہیں۔ ان کا تخلیقی سفر گزشتہ چالیس برس کو محیط ہے لیکن مرکز سے دور اور اپنی ذات میں محصور ہونے کی وجہ سے سامنے نہ آسکے۔ ان کی غزل کا رنگ کلاسیکی اور انداز جدید ہے۔ قیصر نے فرسودہ رسم و رواج اور قدامت کی زنجیروں کو توڑا ہے اور اپنا ایک خاص بیانیہ تشکیل دیا ہے۔

؎　دیے وفا کے اگر ہم جلانے لگتے ہیں / ستم ہوا کے ہمیں آزمانے لگتے ہیں

؎　ایک تو سزا سی زندگی اُس پر تمہاری یاد / رات پوچھے تو قیامت سے کم نہیں

افضل خان کی غزل میں کلاسیکی روایت کا بھرپور استفادہ شامل ہے۔ افضل نے سامنے کی سختیوں اور مصائب کو جان کا روگ نہیں بنایا بلکہ اس کو خام مسالہ سمجھ کر غزل کے کینوس پر زندگی کے حوادث کو پوٹریٹ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ افضل کی گہری رمزیت اور ادراک کی اتھاہ گہرائی کا تموج شعر کے جمالیاتی تشخص کو جداگانہ شناخت عطا کرتا ہے۔ افضل مستقبل کا نمائندہ شاعر ہے۔

؎　لے لے کوئی ہم سے سخن آرائی ہماری / ہوتی ہے بہت صرف توانائی ہماری

؎　بچھڑنے کا ارادہ ہے تو مجھ سے مشورہ کر لو / محبت میں کوئی بھی فیصلہ ذاتی نہیں ہوتا

وصی شاہ اکیسویں صدی کے آغاز میں تیزی سے ابھرنے والے امقبول خاص و عام شاعر ہیں جنھوں نے نوجوان نسل کو شاعری کا دلدادہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس عہد میں احمد فراز کی شاعری کا چرچا تھا جب وصی شاہ کی نظمیں اور اشعار ہر جگہ پڑھنے اور سننے کو ملتے تھے۔ وصی شاہ کے ہاں نوجوان نسل کے جذباتی ذہنیت اور محبت و حُسن کے روح پرور لمساتی حساسیت کو غزل کے کینوس پر پوٹریٹ

کرنے کا خداداد سلیقہ ودیعت ہے۔ گو،اب ان کی وہ شہرت نہیں رہی لیکن ایک کامیاب اور ممتاز شاعر کی حیثیت اب بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔

ے اُس نے سلوا بھی لیے ہوں گے سیاہ رنگ لباس / اب محرم کی طرح عید مناتی ہو گی

ے میں سارا دن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جو نہی / قدم چوکھٹ پہ رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

اخترؔ عثمان عہدِ حاضر کا روایتی جدید شاعر ہے جس کی علمیت اس کے تغزل پر غالب رہتی ہے۔ بغاوتی لب و لہجے سے مملو غزل نے ان کے فن کو قدرے دبایا ہے اور ان کی فکر کے سوتے پھوٹنے کی بجائے دب سے گئے ہیں۔

ے اب ہو بھی چکے مری سلامی / ہونٹوں پہ حروف جم گئے ہیں

ے کن سبز سموں کی میں کتھا ہوں / سب چُپ ہیں غبارِ مخملیں میں

ناصرؔ بشیر کی شاعری روزمرہ کے معاملات اور معاشرت و سیاست کے احوال کا روزنامچہ ہے۔ ناصر نے نظم عمدہ کہی البتہ غزل میں معیار کو ہنوز نہ چھو سکے۔ ان کے ہاں عصری مسائل کی عکاسی اور مذہبی نزاعات کا بیان شدت سے ملتا ہے۔ محبت کو لایعنی سمجھتے ہیں اور چاہے کی تمنا بھی کرتے ہیں۔

ے کمزور ہوں پر اتنا بھی کمزور نہیں ہوں / دشمن بھی رات دن مرے حق میں دُعا کرے

ے سوال کرتی ہے ہم سے ہماری بے سمتی / مسافرو! تمھیں اذنِ سفر دیا کس نے

شوکتؔ فہمی اُردو غزل کے مقبول شعرا ہیں۔ ان کا لب و لہجہ بے باک اور شخصیت متاثر کن ہے۔ الفاظ کا بے جا استعمال نہیں کرتے۔ مخصوص تلازمات سے شعری استعارے تراشتے ہیں۔ اپنے اُردو گرد کی سیاسی و سماجی صورتحال کو شاعرانہ پیرائے میں بیان کرنے کا وصف رکھتے ہیں۔

ے وہ مجھ سے اتنی محبت جتانے لگتا ہے کبھی کبھی تو مجھے خوف سا آنے لگتا ہے

ے میں اس کی قبر پہ کتبہ لگا کے آیا ہوں / جو مٹ گیا میرا نام و نشاں مٹاتے ہوئے

شبیرؔ حسن کے ہاں کربلائی لہجے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ غزل کا رنگ بھی کربلائی اور یاسیت زدہ ہے۔ شعر میں تڑپ اور اثر کی حدت قلب گھائل کرتی ہے۔ شبیر کی شعری اُٹھان روایت کے مطالعے کی دین ہے۔ شبیر کا شعری ذوق ان کے نمایندہ شاعر ہونے کی دلیل ہے۔

ے میں نے یاروں کو تھما دی ہے یہ دُنیا داری / میرے ہاتھوں سے یہ ہر بار الٹ جاتی ہے

ے مجھے یہ جچتے نہیں تشنہ کام جاتے ہوئے / شکوہ قصر اُٹھالیں غلام جاتے ہوئے

واجد میر عمدہ شاعر ہیں۔ مشاعروں میں باقاعدہ کثرت ان کی پہچان ہے۔ غزل کا رنگ تیکھا اور تنقیدی ہے۔ شعر کہتے ہوئے موضوع سے بہک جاتے ہیں۔ روایت کے تتبع اور جدت سے ہم آہنگی شعر کی حساسیت کو زائل کرتی ہے۔ واجد کے ہاں عصری شعور کا غلبہ خاصے کی چیز ہے

ے جھانکتا کون ہے گریباں میں / آئینہ کس کے روبہ رو ہے یہاں

ے آنکھ کی پتلیوں کو غور سے دیکھ / تیری تصویر ہو بہو ہے یہاں

سبحان احمد کا شعری سفر اکیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوا۔ سبحان نے عہدِ حاضر کے ہنگامی موضوعات کا غزل کا حصہ بنایا ہے۔ نوجوان شاعر ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں۔ شعری حسیت کے رموز و علائم سے بخوبی واقف ہیں۔ مستقبل قریب میں نمائندہ شاعر کے طور پر ابھریں گے۔

ے میں ایک ٹھہرا ہوا پل، تو بہتا دریا ہے / تجھے ملوں گا تو پھر ٹوٹ کر ملوں گا میں

ے ہماری مٹی سے کیا بنے گا / بہت بنا تو خدا بنے گا

اکیسویں صدی کی نوجوان نسل کے نمایندہ شاعر تہذیب حافی کا شمار اس وقت دُنیا بھر میں موجود اُردو زبان اور غزل سے محبت رکھنے والوں میں عزت سے لیا جاتا ہے۔ تہذیب نے فطرت کو اور خالصتاً انسانی جذبات کی بے ساختگی اور اجلاہٹ کو پہلی بار اُردو غزل میں پیش کیا۔ روایتی بیان و بدیع کے لوازمات سے غزل کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ ایک نیا اسلوب متعارف کروایا جو موجودہ عہد کا اسلوب ہے اور پیرایہ اظہار ہے۔

ے کیسے اُس نے یہ سب کچھ مجھ سے چھپ کر بدلا / چہرہ بدلا، رستہ بدلا، بعد میں گھر بدلا

ے بنا چکا ہوں میں محبتوں کے درد کی دوا / اگر کسی کو چاہیے تو مجھ سے رابطہ کرے

اکرام عارفی اگرچہ عباس تابس کے عہد کا شاعر ہے لیکن مرکز کے شعرا کی شعوری نظر اندازی کی وجہ سے زیادہ نمایاں نہ ہو سکا۔ سہل ممتنع میں اکرام سے بہتر اُردو غزل کہنے والا موجودہ دور میں خال خال نظر آتا ہے۔ اکرام نے جون کی مشاعرے کی ادا کو نقل کر کے اپنی ساکھ مجروح کی وگرنہ ایک بڑا شاعر یہ ہنوز ہے۔ اکرام کے ہاں محبت، احساس، جذبہ اور قربانی کا بیان خوبصورت اور دلفریبی کا سماں لیے ہوئے ہے۔

ے جو میرا رنج سے بھرا دل ہے / آپ کا درد آشنا دل ہے

ے تیری آنکھوں کی تمنا سے کنارا کرلوں / کیسے ممکن ہے کہ مٹی کو ستارا کرلوں

عمیر نجمی کا شمار بھی اکیسویں صدی کے ابھرتے ہوئے نوجوان شعرا میں سر فہرست ہوتا ہے۔ عمیر نجمی کے ہاں تہذیب و ثقافت اور سماج و تمدن کے اچھوتے اور دلآویز مظاہر ملتے ہیں۔ عمیر نے انسانی جذبوں کی صداقت کو سادہ، آسان اور بر محل انداز میں غزل میں برتا۔ عمیر کے ہاں محبت کوئی تخیلی شغل نہیں بلکہ جان سے گزر کر اس کی قدر کو سر آنکھوں پہ اٹھائے رکھنے کا جذبہ ہے۔ عمیر نے اچھوتے۔دلفریب اور نئے موضوعات کو اُردو غزل میں متعارف کروایا ہے۔

ے دو منٹ بیٹھ میں بس آئینے تک ہو آوں / اُس وقت اِس میں مجھے دیکھنے آتا ہے کوئی

ے تم نے چھوڑا تو کسی اور سے ٹکڑاوں گا میں / کیسے ممکن ہے کہ اندھے کا کہیں سر نہ لگے

علی زریون کا شمار پاکستانی اُردو غزل کی نئی اور موجودہ نسل کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ علی زریون کے غزل کے لب و لہجے کو جدید اطوار پر استوار کیا ہے۔ ان کے ہاں انگریزی سمیت روز مرہ استعمالات کے الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ علی زریون، تہذیب حافی اور اس قبیل کے شعرا نے غزل کو روایت سے الگ کر کے اسے جدت عطا کی ہے۔ سنجیدہ اور معمر شعرا کی طرف سے تنقید کی زد میں رہنے کے باوجود کچھ نیا کہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ے کیا کیا عقلوں شکلوں والے اُسے کے سامنے آتے ہیں / آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں تکتی پکی اپنے یار کی ہے

ے کس نے زین کری ممنوع / پہنو، اچھی لگتی ہو

فیضان ہاشمی نئی نسل میں تیزی سے ابھرنے والے نیم خوابیدہ سے مدہوش نوجوان ہیں جن کی شعری ریاضت اور موضوعات کے انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان نے کلاسیکی روایت کو دل سے محسوس کیا اور روح میں اُتار لیا ہے۔ فیضان کے ہاں گو، روایتی موضوعات کی تکرار ملتی ہے لیکن یہ تکرار نئے مفاہیم کے در وا کرتی ہے۔ فانی، میر، فراز اور جون کی ملی جلی کیفیت سے متشکل فیضان کی شاعری کا سراپا حیران کن ہے۔

ے دل میں رہنے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں / تم کو معلوم نہیں کون یہاں تھا پہلے

ے میں ایک گلاس زمین پر گرانا چاہتا ہوں / ہمارے بیچ کی خاموشی بڑھتی جا رہی ہے

زیشانؔ اختر کے ہاں نئی نسل کی ترجمانی کا حسین انداز ملتا ہے۔ زیشان اختر کی لفظیات اپنی ہیں۔ کلاسیکی روایت کے جملہ موضوعات اور اسالیب سے ان کا استفادہ محسوس ہوتا ہے۔ عہدِ حاضر کے ہنگامی معاملات اور تیزی سے بدلتی معاشرتی اقدار کا نوحہ ناصحانہ انداز میں زیشان کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ محبت سے آگے احترامِ محبت کا فلسفہ زیشان نے اُردو غزل میں متعارف کروایا ہے۔

ے دُنیا میں جس طرح بھی گزارے کا کام ہے / میری طرح کسی تھکے ہارے کا کام ہے

ے سورج پہ ہاتھ ڈالنے کا سوچتا ہوں میں / پلکوں پہ جب سے ایک ستارا اُٹھایا ہے

رحمانؔ فارس اکیسویں صدی کی نئی نسل کے سنجیدہ شعرا میں اب شمار ہوتا ہے۔ ان کی غزل میں ہر طرح کی رنگارنگی اور بوقلمونی دکھائی دیتی ہے۔ گاؤں سے شہر کی طرف مسافرت اور حوادث و سانحات سے لبریز شعری حسیت کو ہر طرح سے غزل کے کینوس پر پوٹریٹ کرنے میں رحمان کو داد دینا پڑتی ہے۔ رحمان کے ہاں روایت اور جدت کی آمیزش موجود ہے۔ ان کی شاعری اور شعری رمزیات کا پھیلاؤ مرورِ وقت کے ساتھ وسیع ہو رہا ہے۔

ے بس اتنا سوچ لینا ہم کو بلوانے سے پہلے / کہ ہم آنے لگے تو عمر بھر آیا کریں گے

ے مجھے ان پڑھ سمجھ کر چھوڑ جانے والی لڑکی! / تیرے بچے نصابوں میں میری غزلیں پڑھیں گے

خرمؔ آفاق جدید اُردو غزل کے ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں غزل کا رچاؤ جذباتی کیفیات سے مغلوب ملتا ہے۔ خرم نے غزل کے کہنہ اسالیب سے خود کو آزاد کر کے عہدِ حاضر کی نوجوان نسل کے پیش آمدہ معاملات کو غزل کی زبان بنایا۔ خرم کے مصرعوں میں گوٹے کی چادر کی نقاشی محسوس ہوتی ہے۔

ے کسی کے ساتھ شرارت ضرور کرتے ہیں / جو بے وفا ہوں محبت ضرور کرتے ہیں

مژدمؔ خان کا تخلیقی سفر عہدِ حاضر کے مسائل سے جداگانہ ہے۔ مژدم نے سوشل میڈیا کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ان کے ہاں متشدد رویہ نظر آتا ہے۔ اپنے افکار کی ترسیل کے لیے جو تلازمے انھوں نے برتتے ہیں وہ ان کے اپنے وضع کردہ ہیں۔ معاشرتی رسوم و رواج سے نوجوان نسل کا انحراف ان کے ہاں شدت سے نوحہ کناں نظر آتا ہے۔

ے مایوسیوں کی دیویوں کا حال دیکھ لو / کہتی ہیں فاصلے سے خد و خال دیکھ لو

ے ٹھہراؤ تو اُس میں تھا ہی نہیں رُکی تو نکل لیا کرتی تھی / میں کپڑے بدلتے سوچتا تھا وہ مرد بدل لیا کرتی تھی

عمار آقبال کا شمار اکیسویں صدی کے نوجوان شعرا میں ممتاز اور مقبول شعرا میں ہوتا ہے۔ عمار نئی نسل کے واحد شاعر ہیں جنھوں نے کلاسیکی روایت کے جملہ دبستان شاعری کو پڑھا اور اس سے استفادہ کیا۔ ان کی شعری ریاضت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر کہنا اور کچھ نیا کہنا کس طرح ممکن ہوتا ہے۔ اپنے انداز و اطوار سے سراپا شاعر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مستقبل میں عمار استاد شعرا میں دکھائی دیتا ہے۔

؎ مجھ سے بنتا ہوا تو اور تجھ کو بناتا ہوا میں / گیت گاتا ہوا تو گیت سناتا ہوا میں

؎ خود ہی جانے لگے تھے اور خود ہی / راستہ روک کر کھڑے ہوئے ہیں

احمد عبد اللہ نئی نسل میں غالباً نوخیز شاعر ہیں۔ ان کی غزل کا تیور، الفاظ کا دروبست اور خیالات کی ترتیب کا انداز چونکا دینے والا ہے۔ دیہی معاشرت، مشرقی تہذیب اور کہنہ تمدن کی جملہ صورتیں ان کی غزل میں کتنی سہولت اور آسانی سے مدغم ہو گئی ہے۔ یہ امر میرے لیے حیران کن ہے۔ احمد عبد اللہ کا تخلیقی سفر یونہی جاری رہا تو بہت جلد نمایندہ شعرا میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ نمونہ کلام دیکھیے:

؎ میرے تحفوں نے محبت کا بھرم توڑ دیا / چوڑیاں تنگ نکل آئی ہیں اور ہار کھلے

؎ اوڑھ لی ہے چہرے پہ جھوٹی ہنسی / اب بنا تصویر اب سب ٹھیک ہے

اکیسویں صدی اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اسے سوشل میڈیا کی سہولت میسر ہے۔ اب رسالوں میں چھپنے کی حسرت لیے شاعر دنیا سے گمنام نہیں مرتا بلکہ یوٹیوب، فیس بک اور دیگر سوشل ذرائع سے جو لکھتا ہے آن کی آن پوری دنیا تک پہنچانے کی سہولت رکھتا ہے۔ قارئین اور ناظرین اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ شاعر میں شعر کہنے اور خیال کو نبھانے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔

مرورِ وقت کے ساتھ یہی شاعر ایک مشکل مقابلے سے نکل کر سامنے آتا ہے اور اپنے عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ وقت خود بڑا منصف ہے۔ جس دیے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے کے مصداق شاعر اور شاعری باقی رہتی ہے۔

عہد حاضر میں تیزی سے ابھرتے ہوئے نئی نسل کے پاکستانی شعرا میں سرفہرست "افکار علوی، دانش نقوی، رمزی عاصم، زاہد بشیر، شعیب مغیرہ، نادر بار شاہ، سعد ضیغم، سید علی شاہ رخ، احمد عبد اللہ، سعد سجاد، تجمّل کاظمی، احمد رضوان، طارق احمد" وغیرہ شامل ہیں۔ ذیل میں ان کے کلام کا نمونہ پیش خدمت ہے جس سے ان شعرا کی فنی تموج اور فکری اپج کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

؎ تجربہ تھا سو دُعا کی تاکہ نقصان نہ ہو / عشق مزدور کو مزدوری کے دوران نہ ہو (افکار علوی)

؎ دیکھو اب مجھے میری جگہ سے نہ ہلانا / پھر تم مجھے ترتیب سے رکھ کر نہیں جاتے (دانش نقویؔ)

ے شام ہوتی ہے تو اُس گھر کی طرف / عادتاً اپنے آپ قدم جاتے ہیں (رزمی عاصم)

ے حسیں ہوں تو نہیں مگر حسیں کیا ہوا ہے / میرے دیے نے مجھے آتشیں کیا ہوا ہے (نادر بار شاہ)

ے کچھ نہیں کہتے آنے والے لوگوں کو / کیا کہیے مے خانے والے لوگوں کو (سعد ضیغم)

ے وہ جتنی دیر میں کشتی قریب لاتا ہے / ہم اتنی دیر میں دریا کے پار ہوتے ہیں (سید علی شاہ رخ)

ے لہروں کے اُس شور نے دل پر ایسا وار کیا / خوف کے مارے رات گزاری خواب میں دریا پار کیا (سعد سجاد)

ے نظر میں رعب بھی رکھتے تھے اور محبت بھی / ہم ایک تیر سے دو، دو شکار کرتے تھے (تجمل کاظمی)

ے میں نے ہر بات چھپالی بڑی آسانی سے / آئینہ دیکھ رہا تھا مجھے حیرانی سی (احمد رضوان)

ے میں تیرے عہد سے پھرنے پہ تیرا کیا کرلوں / میں تو کچھ حسبِ ضرورت بھی نہیں کر سکتا (طارق احمد)

حوالاجات

1. عبدالقوی دسنوی، پروفیسر، "اُردو شاعری کی گیارہ آوازیں"، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، 1993ء)، ص82
2. اسلوب احمد انصاری، پروفیسر، "ادب اور تنقید"، (الہٰ آباد: سنگم پبلشنگ ہاؤس، 1968)، ص64
3. خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند"، جلد پنجم، (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، پریس، 2012)، ص208
4. فخر الکریم صدیقی، پروفیسر، "وامق کی فکری وفنی جہات"، مشمولہ، کتاب نما، ستمبر، 1989، ص46
5. محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر، "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند"، ص237
6. شمس الرحمن فاروقی، "اثبات و نفی"، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1986)، ص137
7. عقیل احمد رضوی، ڈاکٹر، "جدید اُردو غزل کی تاریخ"، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 1988)، ص634
8. ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، "اُردو غزل کا تکنیکی، ہیتی اور عروضی مطالعہ"، (لاہور: مجلس ترقی ادب، لاہور، 2008)، ص232
9. جمیل جالبی، ڈاکٹر، دیباچہ، "چراغِ سحر"، (کراچی: ادارہ یادگار غالب، 1982)، ص7
10. شمیم حنفی، "سلام مچھلی شہری کی شاعری"، مشمولہ، سہ ماہی، (علی گڑھ: اُردو ادب، 2001)، ص55
11. محمد شمس الحق، "پیمانہ غزل"، جلد دوم، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیش، 2009)، ص175
12. عقیل احمد رضوی، ڈاکٹر، "تاریخ جدید اُردو غزل"، ص704
13. محمد حسن، ڈاکٹر، مشمولہ، مضمون، "ناصر شہزاد کی غزل کا منظر نامہ"، ماہنامہ، روحِ ادب، ممبئی، سن ندارد، ص46

14. احتشام حسین، "اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ"،(لاہور:القمر انٹر پرائز،لاہور،2008)،ص169

15. ارشد محمود ناشاد،ڈاکٹر،"اُردو غزل کا تکنیکی، ہیتی اور عروضی سفر"،ص168

16. ایضاً،ص168

17. شاہد کمال،"کراچی میں اُردو نظم وغزل"،(کراچی:طارق پبلی کیشنز،1999)،ص129

18. عزیز حامد مدنی،"جدید اردو شاعری"، جلد دوم،(کراچی:انجمن ترقی اُردو، پاکستان،1994)،ص188

19. محمد شمس الحق،"پیمانہ غزل"، جلد دوم،(اسلام آباد:نیشنل بک فاونڈیش،2009)،ص203

20. فرمان فتح پوری،ڈاکٹر، محمد شمس الحق، مشمولہ،"پیمانہ غزل"، جلد دوم،ص220

21. "شمیم احمد، میری نظر میں"،(کوئٹہ:زمرد پبلی کیشنز،1992)،ص78

22. گوپی چند نارنگ، نئی تنہائیوں کا شاعر، مشمولہ مضمون،"مہر دو نیم"،(کراچی:مکتبہ دانیال،1991)،ص23

23. غلام حسین ساجد، دیباچہ،"نئی پاکستانی غزل"،(لاہور:نئے دستخط،2002)،ص89"

Reference :"

1. Abdul qavi dasnvi, professor, urdu shairi ki gayarah aawazian, maktaba jamea ltd, Dehli , 1993, p 82
2. usloob Ahmed ansari, professor, adab aur tanqeed, sangam pblshng house, alah abad, 1968, p64
3. khwaja Mohammad zikria, dr, tarikhِ adbiyat mslmananِ Pakistan o hind, jild panjum, Punjab yoni vrsti, press, Lahore , 2012, p 208
4. fakhr alkrim Siddiqui , professor, Wamiq ki fikri o fani j_hat, mashmola,, kitaab numa, sep, 1989, p 46
5. Mohammad zikria, khwaja, dr, tarikhِ adbiyat mslmananِ Pakistan o hind, jild panjum, Punjab yoni vrsti, press, Lahore , 2012, p 237
6. Shams Al Rehman Farooqi , asbat o nafri, maktaba jamea ltd, Dehli , 1986, p 137
7. Aqeel Ahmed Rizvi , dr, jadeed urdu ghazal ki tareekh, national book foundation, Islamabad, 1988, p 634
8. Arshad Mahmood Nashad , dr, urdu ghazal ka takneeki, haiti aur aroozi mutalea, majlis taraqqi adab, Lahore , 2008, p 232
9. Jameel jalbi, dr, deebacha, chairag e sehar, idaara yadgar e ghalib, Karachi , 1982, p 7

10. shamem Hanfi , salam machhli shehri ki shairi, mashmola, sah mahi, urdu adab, Ali garh, 2001, p 55
11. Mohammad Shams Al Haq , pemana ghazal, jild doum, national book foundation, Islamabad, 2009, p 175
12. Aqeel Ahmed Rizvi , dr, tareekh jadeed urdu ghazal, national book foundation, Islamabad, 2015, 1988, p 704
13. Mohammad hassan, dr, mashmola, mazmoon, nasir Shahzad ki ghazal ka manzar nama, mahnamh, rohِ e adab, Mumbai , san ndarad, p 46
14. Ehtisham Hussain , urdu adab ki tanqeedi tareekh, al qamar inter prize, Lahore , 2008, p 169
15. Arshad Mahmood Nashad , dr, urdu ghazal ka takneeki, haiti aur aroozi safar, majlis taraqqi adab Lahore , 2008, p 168
16. Arshad Mahmood Nashad , dr, urdu ghazal ka takneeki, haiti aur aroozi safar, majlis taraqqi adab Lahore , 2008, p168
17. Shahid kamaal, Karachi mein urdu nazam o ghazal, tariq publication, 1999, p 129
18. Aziz Hamid Madni , jadeed aro shairi, jald doum anjuman taraqqi urdu, Pakistan , Karachi , 1994, p 188
19. Mohammad Shams Al Haq , pemana ghazal, jald doum, national book foundation, Islamabad, 2009, p 203
20. farmaan fatah poori, dr, Mohammad Shams Al Haq mashmola, pemana ghazal, jild doum, national buk foundation, Islamabad, 2001, p 220
21. shameem Ahmed , meri nazar mein, zumurud pbli kishnz, queta, 1992, p 78
22. gopi chand narang, nai tanhaiyon ka shayar, mashmola mazmoon, mohar do name, maktaba Danyal , Karachi , 1991, p 23
23. ghulam Hussain Sajid , deebacha, nai Pakistani ghazal, naye dastakhat, Lahore , 2002, p 89